قومی اسمبلی کی قرارداد پر کسی احمدی کے ردّعمل میں ظلم اور فساد کا شائبہ نہ پایا جانا چاہئے

(خطبہ جمعہ فرمودہ13/ستمبر 1974 بمقام مسجد اقصیٰ ربوہ)

تشہد و تعوذاور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا:-

7/ستمبر 1974 کو قومی اسمبلی نے مذہب کے متعلق ایک قرارداد پاس کی ہے۔ اس پر جماعت احمدیہ مجھ سے دوسوال دریافت کرتی ہے۔

اوّل یہ کہ جو قرارداد پاس ہوچکی ہے اس پر جماعت احمدیہ کے خلیفۃ المسیح الثالث کا تبصرہ کیا ہے یعنی جماعت احمدیہ کو یہ بتایا جائے کہ اس قرار داد کے معانی کیا ہیں؟

دومؔ یہ کہ اس قرارداد کے پاس ہونے کے بعد جماعت احمدیہ جس کا صحیح نام حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ”احمدیہ فرقہ کے مسلمان“ رکھا ہے۔ تو اب احمدیہ فرقہ کے مسلمانوں کا ردعمل کیا ہونا چاہیئے؟ پس یہ دو2سوال ہیں جو پوچھے جارہے ہیں۔

جہاں تک پہلے سوال کا تعلق ہے یعنی جو قرار داد پاس ہوئی ہے اس پر جماعت احمدیہ کے خلیفۂ وقت کا تبصرہ کیا ہے؟ اس پر تنقید کیا ہے؟ کیا پاس ہوا ہے؟ اس کے متعلق جماعت کو بتایا جائے۔ اس میں اس لئے بھی الجھن پڑتی ہے کہ مختلف اخبارات مختلف باتیں لکھ دیتے ہیں اور بعض اخبار بعض باتیں چھوڑ دیتے ہیں۔ اس کے متعلق اس وقت تو میں اتنا ہی کہنا چاہتا ہوں کہ No Comment کوئی تبصرہ نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس پر تبصرے سے قبل بڑے غور اور تدبر کی ضرورت ہے اورمشورے کی ضرورت ہے۔ پس مشورے اور تمام پہلوئوں پر غور کرنے کے بعد

پھر میں جماعت احمدیہ کو بتاؤں گا کہ جو پاس ہوا ہے وہ اپنے اندر کتنے پہلو لئے ہوئے تھا۔ کیا بات صحیح ہے اور کیا بات صحیح نہیں ہے وغیرہ وغیرہ۔

بہرحال اس وقت اس پر کوئی تبصرہ نہیں ہے۔ اس کے لئے آپ کچھ دن اور انتظار کرلیں۔ کوئی جلدی بھی نہیں ہے۔ اصل تو یہ ہے کہ آپ کو حقیقت معلوم ہوجائے۔ اس لئے حقیقت کو ابھرنے دیں۔ حقیقت کو اَن فولڈ (Uufold)ہونے دیں۔ اس کو پتیاں نکالنے دیں پھر اس کے اوپر تبصرہ بھی آجائے گا۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ جماعت احمدیہ کا رد عمل کیا ہونا چاہیئے یا جماعت احمدیہ کا کیاردعمل ہے؟ کیونکہ ہر احمدی باوجود اس بات کے کہ وہ بڑا تربیت یافتہ ہے پھر بھی مرکز کی طرف دیکھتا ہے اور بہرحال مرکز سے ہدایت طلب کرتا ہے اور یہ جاننا چاہتا ہے کہ ہمارا کیا رد عمل ہونا چاہیئے؟ اس کا جواب لمبا ہے اور یہ ایک خطبہ میں ختم ہونے والا نہیں ہے۔ اس کے جواب میں دوپہلو مدِ نظر رکھنے پڑتے ہیں۔ اس بنیادی حقیقت کی بنا پر جوہماری زندگی کی حقیقت ہے اور جس کے بغیر ایک احمدی کی زندگی، زندگی ہی نہیں اوروہ بنیادی حقیقت یہ ہے کہ ہمارا یہ دعویٰ ہے اورہم پورے وثوق کے ساتھ اور پورے عرفان کے ساتھ یہ اعلان کرتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ پر پورا اورکامل ایمان رکھتے ہیں۔ اس اللہ پر جسے اس کی ذات کے لحاظ سے اور اس کی صفات کے لحاظ سے قرآن عظیم نے دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔ ہم اس اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات پر جیسا کہ قرآنِ کریم نے ہمیں بتایا ہے واقعہ میں عارفانہ ایمان رکھتے ہیں اور اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات بے مثل اور بے مانند ہے اس یونیورس، اس عالمین میں اس جیسا کوئی نہیں ہے ذات کے لحاظ سے اور نہ اس کا مثیل ہے صفات کے لحاظ سے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جو اسلام نے قرآن عظیم کے ذریعہ ہمارے سامنے رکھی ہے۔ پھر قرآن کریم نے شروع سے لے کرآخر تک ہمیں یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس کے اندر یہ صفت پائی جاتی ہے۔ یہ صفت پائی جاتی ہے اور یہ صفت پائی جاتی ہے کبھی نام لے کر اور کبھی کام کاذکر کرکے۔ قرآن کریم نے شروع سے لے کر آخر تک ہمیں یہ بتایا ہے کہ قرآن کریم جب اللہ تعالیٰ کا نام لیتا ہے تو کس معنے میں لیتا ہے مثلاً سورۃ فاتحہ کولیں تو اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ کی ذات کی چار بنیادی صفات ہمارے سامنے رکھی گئی ہیں۔ سورۃ فاتحہ ہمیں یہ بتاتی ہے کہ تمام تعریفوں کا مرجع اللہ ہے۔ فرمایا اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ کہ اللہ وہ ہے جو رب العالمین ہے۔ اللہ وہ ہے جو رحمن

ہے ، اللہ وہ ہے جو رحیم ہے، اللہ وہ ہے جو مالک یوم الدین ہے۔ قرآن کریم نے اور پھر ان مطہر بزرگوں نے جن کاذکر خودقرآن کریم نے ان الفاظ میں کیا ہے۔ إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيْمٌ ہ فِيْ كِتَابٍ مَّكْنُونٍ ہ لَّا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُون (الواقعۃ : 78تا80) گویا خود قرآن کریم نے ایک گروہ کو مطہرین کا گروہ قراردیا ہے۔ پس ایک تو خود قرآن عظیم نے الٰہی صفات بیان کیں دوسرے مطہرین کے گروہ نے اللہ تعالیٰ سے علم حاصل کرکے دنیاکے سامنے الٰہی صفات کوبیان کیا۔ ان کی تفصیل بتائی۔ ان پرروشنی ڈالی اورپھر اس زمانہ میں حضرت مسیح موعود مہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جیسا کہ کہا گیا تھا حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارات کے نتیجہ میں آپ کے عشق میں فانی ہو کر خدا تعالیٰ کی ذات اورصفات کے ساتھ ایک زندہ تعلق قائم کیا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کو جس رنگ میں قرآن کریم نے بیان کیا ہے اور جس طرح حضرت مہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے الٰہی صفات کی تشریح کی ہے ہم اسی معنے میں اللہ کو مانتے ہیں مثلاً ہم سبحان اللہ پر یقین رکھتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کے اندر کوئی نقص ، کوئی کمزوری اور کوئی عیب پایا ہی نہیں جاسکتا، اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ یہ نہیں کہ کوئی ناسمجھ کھڑے ہوکر یہ کہہ دے کہ مثلاً نعوذ باللہ خدا چوری کرسکتا ہے مگر ہمارا سبحان اللہ کہنا اس کی تردید کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی ذات میں کوئی عیب یا نقص متصور ہی نہیں ہوسکتا۔ میں اس اللہ کی بات کررہا ہوں جس کو اسلام نے پیش کیا ہے۔ بعض مذاہب بگڑگئے انہوں نے ایک (انسانی) وجود کو خداوند بھی کہا اور اسے پھانسی پر بھی لٹکا دیا۔ یہ مذہب کی بگڑی ہوئی شکلیں ہیں مثلاً ایک وجود کو لوگوں نے خداوند بھی کہا اوریہ بھی تصور کرلیا کہ وہ خدا ہونے کے باوجود رحم مادر کی تنگ کوٹھڑی میں نومہینے تک قید بھی رہا۔ یہ توبگڑے ہوئے مذہب کی حالتیں ہیں مگر ہمارا اسلام توبگڑا ہوا مذہب نہیں ہے اس کی توچمکتی ہوئی لشکار ہر زمانے میں ظاہر ہوتی رہی ہے اس کی ذات کے متعلق بھی اور صفات کے متعلق بھی۔

امت محمدیہ میں ایسے کروڑوں بزرگ پیدا ہوئے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کا عرفان حاصل کیا اور خدا تعالیٰ سے زندہ تعلق کے نتیجہ میں خدا تعالیٰ نے اپنی ذات وصفات کی کیفیت اورماہیت انہیں بتائی۔ (جہاں تک انسان کو اس کی ضرورت تھی)

پس جب یہ ہمارا دعویٰ ہے اوراگرہمارا یہ دعویٰ ہے اور یقینا یہی ہمارا دعویٰ ہے کہ حضرت مسیح موعودومہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لا کر ہم نے اللہ تعالیٰ کو اس کی ذات اورصفات کے ساتھ پہچانا ہے تو پھر آپ کو

سمجھانے کے لئے دلیل میں نے پہلے دے دی ہے، اگر یہ درست ہے اوریقینا یہ درست ہے اور اگر اس کے نتیجہ میں ایک احمدی کے دل میں اپنے رب کریم کے لئے ایک محبت کی کیفیت پیدا ہوتی ہے جس کے معنی ہیں کہ وہ ہروقت ڈرتا رہتا ہے کہ میرا محبوب خدا مجھ سے کہیں ناراض نہ ہوجائے۔ یہ خشیت کا مقام ہے اوروہ ہروقت اس امید میں رہتا ہے کہ میراپیارا خدا میری طرف محبت کی نگاہ سے دیکھے گا۔ گویا یہ محبت کے دوپہلو ہیں اوریہ ہر دوپہلو ہر مخلص احمدی کے دل میں پہلو بہ پہلو کھڑے ہوئے ہیں توپھر یہ دلیل یا ایک احمدی کی زندگی کی جو حقیقت ہے وہ ہمیں بتاتی ہے کہ ان حالات میں اصولی طورپر ہمارا ردعمل کیا ہونا چاہیئے اورکیا نہیں ہونا چاہیئے۔ جو نہیں ہونا چاہیئے اس کے متعلق میں آج صرف دو ۲ باتوں کولوں گا۔ قرآن کریم احکام کی کتاب ہے یہ اسلامی شریعت اور ہدایت ہے اس میں بیان ہونے والے احکام کو ہماری اصطلاح میں دوحصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے ایک اوامر ہیں اوردوسرے نواہی ہیں، کچھ کرنے کی باتیں ہیں اور کچھ سے بچنے کی ہدایت کی گئی ہے گویا کچھ باتیں ایسی ہیں جوکرنی چاہئیں اورکچھ ایسی ہیں جن سے بچنا چاہیئے۔

پس جہاں تک نواہی کا تعلق ہے قرآن کریم نے ہمیں کئی جگہ بتایا ہے کہ اگرایسا کروگے تواللہ تعالیٰ تم سے ناراض ہوجائے گا۔ یوں کروگے تواللہ تعالیٰ کی محبت کو نہیں پاسکو گے۔ اس قسم کا فعل صادر ہوا تو تم پرخدا تعالیٰ کا غضب نازل ہوگا۔ یہ کام کیا تو خدا تعالیٰ سے دوری پیدا ہوجائے گی۔ وغیرہ وغیرہ

غرض بہت سی باتیں نواہی میں شامل کرکے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بیان کردیں۔ ان باتوں میں سے دو ۲ کو میں اس وقت لوں گا۔

ایک تو یہ کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۔ (اٰل عمران:58) کہ خداتعالیٰ ظالموں سے پیار نہیں کرتا۔ اگریہ سچ ہے اور اس میں کوئی شبہ ہی نہیں کہ یہ سچ ہے کیونکہ قرآن کریم نے یہ اعلان کیا ہے کہ ظلم کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ انسان سے ناراض ہوجاتا ہے توپھر کسی احمدی کا کسی واقعہ کا ردعمل ظالمانہ ہوہی نہیں سکتا۔ اس لئے کہ یہ دنیا اور اس کے جو حوادث ہیں یا اس کے جوزوال پذیر واقعات ہیں ان کی طرف تو ہم توجہ ہی نہیں دیتے ہماری نگاہ توصرف ایک ہی مرکزی نقطے پر مرکوز رہتی ہے اوروہ ہے اللہ تعالیٰ کی ذات جلّشانہ۔ ہمارے دل میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس پاک ذات کے ساتھ تعلق پیدا کیا جسے قران کریم نے اللہ کہا ہے اور

جسے ہم نے پہچانا اور اس کا عرفان حاصل کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک ایسا عشق پید اکیا ہے کہ جس کی مثال اسلام سے باہر مل ہی نہیں سکتی۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس تعلق کی مضبوطی کا ایک جگہ بڑی سادگی اورآرام کے ساتھ اس طرح بھی اظہار کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کو حاصل کرنا آسان ہے۔ اس میں کیا مشکل ہے کہ خدا تعالیٰ کی محبت مل جائے کوئی مشکل ہی نہیں ہے وہ جان مانگتا ہے جان دے دو۔

پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خدا تعالیٰ کے ساتھ اتنا گہرا اور مضبوط رشتہ قائم کیا ہے کہ ہم خدا تعالیٰ کی ناراضگی کا تصور بھی نہیں کرسکتے۔ اس لئے جس چیز کو خدا تعالیٰ پسند نہیں کرتااور جس حقیقت کا عام اعلان قرآن کریم نہیں کرتا وہ ہماارد عمل نہیں ہوسکتا۔ اگرکوئی شخص احمدی کہلاتاہو اور اس کا ایسا رد عمل ہو جو ظلم کی تعریف کے اندر آتا ہو اور جس کے نتیجہ میں اس شخص پر انفرادی طورپراللہ تعالیٰ کا غصہ ظاہر ہو اوروہ خدا کی محبت سے دورہو تووہ احمدی نہیں ہے۔ چاہے وہ اپنے آپ کو احمدی کہتا ہو۔ اس لئے کسی احمدی کا کوئی رد عمل خواہ دنیا کے حالات کیسے ہی کیوں نہ رونما ہوں ایسا ہو ہی نہیں سکتا جس پر ظلم کی مہر لگی ہو۔ پس 7/ستمبر کوہماری قومی اسمبلی نے جو قرارداد پاس کی ہے اس کارد عمل ایک سچے اور حقیقی احمدی کا ایسا ہوہی نہیں سکتا کہ جس سے کسی پر ظلم واردہو۔

ظلم کے ایک معنے تو یہ ہیں کہ وَضْعُ الشَّيْئِ فِيْ غَيْرِ مَحَلِّهٖ کسی چیز کا غیر محل میں رکھ دینا یعنی مناسب حال کام نہ کرنا بھی ظلم میں شامل ہے۔ ظلم کے معنی مفردات امام راغبؒ کی روسے حق تلفی کرنا ہوتے ہیں گویا ظلم کے معنی میں حقوق کوتلف کردینا اور حق کے معاملہ میں تجاوز کی راہ کو اختیار کرنا شامل ہے۔ امام راغبؒ نے مزید لکھا ہے کہ جب ظلم کا لفظ گناہ کے معنوں میں استعمال کیا جائے تو اس معنی کے لحاظ سے وہ گناہ کبیرہ پر بھی استعمال ہوتا ہے اور گناہ صغیرہ پر بھی استعمال ہوتا ہے یعنی حق سے چھوٹے سے چھوٹا تجاوز بھی ظلم ہے اوربڑے سے بڑا تجاوز بھی ظلم ہے۔ اس میں چھوٹے بڑے کا کوئی فرق نہیں ہے۔ پھر انہوں نے لکھا ہے کہ ظلم کی تین قسمیں کی گئی ہیں۔ بَيْنَ الْاِنْسَانِ وَبَيْنَ اللّٰهِ انسان کے جو تعلقات اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہیں، ان میں ظلم ہوجاتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے جو حقوق ہیں۔ انسان ظالم بن کرانہیں ادا نہیں کرتا۔ (پس) اس ظلم کی ایک بھیانک توجیہہ یہ ہے کہ انسان پر اللہ تعالیٰ کے جو حقوق ہیں، وہ ادا نہیں کئے جاتے۔ وہ حقوق اس معنی میں نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو کسی انسان کی ضرورت ہے۔ وہ تو خالق او

رمالک ہے اس نے دنیا کی ہر چیز کو پیدا کیا ہے وہ صمد اور غنی ہے اسے کسی چیز کی احتیاج نہیں ہے۔ وہ ہر چیز کو پیدا کرنے والا ہے۔ ہر چیز اس کی ملکیت ہے۔ ہر چیز اس کے قبضہٗ قدرت میں ہے لیکن اس کو کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے جب خدا تعالیٰ کی یہ دو تین صفتیں ہمارے سامنے آتی ہیں تو خدا تعالیٰ کی (ان) صفات کی یہ شکل بنتی ہے کہ اس نے ہر چیز کو پیدا بھی کیا۔ وہ ہر چیز کا مالک بھی ہے لیکن وہ صمد اور غنی بھی ہے اس لئے اسے کسی چیز کی حاجت نہیں۔ اس نے اپنی حکمتِ کاملہ سے جو کیا وہ کیا مگر اسے کسی چیز کی احتیاج اور ضرورت نہیں تھی اسے ضرورت نہ تھی کہ انسان اس کی حمد کرتے، اس کی تسبیح کرتے، اس کے شکر گزار بندے بنتے، اس کی صفات کا رنگ اپنے اوپر چڑھاتے یعنی مظہر صفاتِ الٰہیہ بنتے اور تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ کا نظارہ دکھاتے۔

غرض خدا تعالیٰ کو دنیا کی کسی چیز کی احتیاج نہیں ہے احتیاج تو ہمیں ہے لیکن حقوق اللہ کی ادائیگی کا ایک محاورہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ انسان پر اللہ تعالیٰ کے حقوق کی ادائیگی کا حق ہے۔ انسان پر اللہ تعالیٰ کا یہ حق ہے کہ وہ اس کی تسبیح کرے، تحمید کرے شرک نہ کرے اور فسق وفجور میں مبتلا نہ ہو۔ اس کا کہنا مانے اس کے حکم کو توڑنے والا نہ ہو۔ خدا تعالیٰ جو کہتا ہے یعنی جو اوامر ہیں ان کے مطابق کام کیا جائے اور جو کہتا ہے نہ کرو یعنی نواہی ہیں ان کے مطابق قطع تعلق کرلو، تو پھر خدا تمہیں مل جائے گا۔ گویا ظلم کے ایک معنی حقوق اللہ کو ادا نہ کرنے کے ہیں۔ پس وہ حق جو خدا کا بندہ پر ہے اس میں تجاوز نہ ہو۔ اس کو تلف نہ کیا جائے۔

2۔ بَیْنَ الْاِنْسَانِ وَبَیْنَ النَّاسِ کہ وہ حقوق جو ایک شخص پر ”الناس“ یعنی عوام کے ہیں انسان ان حقوق کو تلف نہ کرے۔ اگر تلف کرے گا تو ظالم بن جائے گا۔

3۔ بَیْنَ الْاِنْسَانِ وَبَیْنَ نَفْسِہٖ کہ انسان پر اس کے نفس کے بھی کچھ حقوق ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی لوگوں کو فرمایا ہے کہ تم اپنے نفس کے حقوق کی ادائیگی کی طرف بھی توجہ کیا کرو مثلاً نفس کا سب سے بڑا حق تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جس قدر روحانی قوتیں اور استعدادیں دی ہیں ان کو صحیح اور کامل نشوونما دے کر وہ اپنے دائرہ کے اندر خدا تعالیٰ سے قریب سے قریب تر ہو جائے۔

یہ نفس کا ایک حق ہے۔ اس حق کی ادائیگی کے لئے پھر دنیا کے حقوق ہیں مثلاً انسان جان کر اتنا بھوکا نہ رہے کہ کمزوری پیدا ہو جائے اور وہ نفس کے روحانی حقوق نہ ادا کرسکے یا اس کا ایک دوسرا رخ بھی ہے کہ دوسرے

انسانوں کا یہ حق ان کو ملتا رہے کہ وہ بھوک، پیاس یا بیماری جس کا علاج نہ ہوان تکالیف کودور کرنے کے نتیجہ میں جو روحانی رفعتیں وہ حاصل کرسکتے تھے عبادات زیادہ غور اور توجہ اور انہماک کے ساتھ اورزیادہ وقت دے کر اور روحانی طورپر زیادہ سختیاں برداشت کرکے اس میں کمی واقع ہوجائے اور وہ اپنے دائرہ استعداد میں ان روحانی رفعتوں کو حاصل نہ کرسکے جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس کوپیدا کیا ہے۔ یہ پہلو بھی نفس کے حقوق کے اندر آجاتا ہے اور یہ نفس کے حقوق کے اندراس لئے آجاتا ہے کہ بَيْنَ الْاِنْسَانِ وَبَيْنَ النَّاسِ کی روسے عوام کے حقوق جو ایک شخص واحد پرہیں، اس میں بھی آتا ہے اوروہ الناس کے نقطہ نگاہ سے ہے اور بَيْنَ الْاِنْسَانِ وَبَيْنَ نَفْسِهٖ میں اس کے اپنے نقطۂ نگاہ سے کیونکہ وہ شخص جو اپنی شخصیت کوروحانی طورپر نشوونما دینے کی کوشش کررہا ہے اگروہ اس بات کا خیال نہیں رکھتا کہ اس کا جو ماحول ہے اس میں اس کے حقوق مل رہے ہیں۔ اگر نہیں تونشوونما کے اندرکمزوری پیدا ہوجاتی ہے۔ پس ہر انسان اپنی نشوونما کی خاطر غیر کی نشوونما میں تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى (المآئدۃ:3) کے حکم کے مطابق کوشش کرتا ہے۔

پس ظلم کے یہ تین معنے کئے گئے ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْن ظلم کے کسی معنی میں بھی خدا تعالیٰ ظالم سے پیار نہیں کرتا۔ اس لئے جماعتِ احمدیہ اور جماعت احمدیہ کے افراد کا کوئی رد عمل ۷ ستمبر کی قرارداد پر ایسا نہیں ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں وہ ظالم ٹھہر جائیں۔ انشاء اللہ ایسا نہیں ہوگا ان کارد عمل ایسا ہوگا کہ خدا تعالیٰ انہیں یہ کہے گا کہ میرے پیارو! میرے اور قریب آجائو کہ جب تمہیں دکھ دیا گیا توتم نے میرے حقوق نہیں بھولے بلکہ میرے پیار اور رضا کو حاصل کرنے کے لئے اور زیادہ کوشش کی۔

دوسری چیز جس کے نتیجہ میں انسان خدا تعالیٰ کے پیار اورمحبت سے محروم ہوجاتا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ بقرہ کی آیت206 میں فرمایا ہے: وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ کہ اللہ تعالیٰ فساد کو پسند نہیں کرتا۔ فسادکے معنے ہیں: ”خُرُوْجُ الشَّيْئِ عَنِ الْاِعْتِدَالِ“ جس کا مطلب یہ ہے کہ جو بیچ کا راستہ ہے یا خدا تعالیٰ نے انسان کے لئے صراط مستقیم یعنی سیدھی راہ بنائی ہے اس سے بھٹک کرانسان اگر دائیں چلاجائے تب بھی اور بائیں چلا جائے تب بھی خداتعالیٰ کے پیار سے محروم ہوجاتا ہے۔ فساد کے مقابلہ میں صلاح کا لفظ آتا ہے کیونکہ فساد منفی معنوں میں دلالت کرتا ہے۔ اس لئے گویا صلاح کا نہ ہونا صلاح کا فُقدان فساد کہلاتا ہے اورصلاح کے معنے فساد کے معنوں پر روشنی

ڈالتے ہیں اور صلاح کے معنے(جب یہ لفظ صالح اسم فاعل کے طور پر استعمال ہوتا ہے) تو اس وقت اس سے یہ مراد ہوتی ہے کہ ”اَلْقَائِمُ بِمَا عَلَيْهِ مِنَ الْحُقُوْقِ وَالْوَاجِبَات“ کہ ہر وہ انسان جس پر اللہ تعالیٰ نے جو حقوق اور واجبات مقرر کئے ہیں اوریا اس کی صلاحیت میں رکھے ہیں وہ ان سے منحرف نہ ہو بلکہ مضبوطی کے ساتھ وہ اپنے اس مقام پر کھڑا ہوجو مقام کہ اللہ تعالیٰ نے اسے عطا کیا ہے۔ چنانچہ دنیا میں جتنا فتنہ وفساد، لڑائیاں جھگڑے اور ظلم ہوتے ہیں دراصل ان کی جڑ یہ فساد ہی ہوتا ہے۔ انسان کسی (دوسرے) کا حق دینے سے گریز کرتا ہے اوراپناحق لینے کے لئے دوسرے کا سر پھوڑنے کے لئے تیار ہوجاتاہے۔

پس ہر ایک احمدی کا جو حق ہے وہ اسے ملنا چاہیئے خواہ وہ کوئی ہو۔ ہمارا اشد ترین مخالف بھی ہے تب بھی ہراحمدی یہ کہتا ہے کہ اس کے جوحقوق خدا تعالیٰ نے اورہمارے دستور نے اور قانون نے بنائے ہیں وہ انکو ملنے چاہئیں۔ کسی احمدی یا کسی جماعت احمدیہ یا مرکز احمدیت کا یہ مطالبہ نہ کبھی ہوا نہ کبھی ہمارے دماغوں میں آیا بلکہ ہم توہمیشہ اپنے بھائیوں اور دوستوں کو جو احمدی نہیں اور جن پر انتظامی ذمہ داریاں ہیں ان سے باتیں کرتے ہوئے انہیں سمجھایا کرتے ہیں کہ دیکھو ہر آدمی کا جو بھی حق ہے وہ اسے ملنا چاہیئے۔ قطع نظر اس کے کہ وہ احمدیت کی مخالفت کرتا ہے یا حمدی ہے یا احمدیت کے متعلق نہ مخالفانہ رائے رکھتا ہے اور نہ اسے قبول کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے انسان کے جو حقوق قائم کئے ہیں وہ اسے ملنے چاہئیں ورنہ توساری دنیا میں فساد پیدا ہوجائے گا۔ پس لڑائی جھگڑے جنہیں ہم عام معنوں میں فساد کہتے ہیں ان کی جڑ ہی یہ ہے کہ انسانوں کے ایک گروہ کو ان کے حقوق نہیں ملتے اور وہ بے چین ہوجاتے ہیں۔ ان کو اتنا غصہ چڑھتا ہے کہ وہ اپنے حقوق حاصل کرنے کے لئے دوسروں کے حقوق مارنے شروع کردیتے ہیں اور اس طرح غلط قسم کا چکر چل پڑتا ہے۔ پس ایک احمدی چونکہ اپنے دل میں خشیت اللہ رکھتا ہے اور چونکہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ اسے کوئی ایسا کام نہیں کرنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہوجائے اس لئے وہ کہتا ہے کہ مجھے کوئی کام ایسا نہیں کرنا چاہیئے جو فساد کا موجب ہوکیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ اللہ تعالیٰ فساد سے پیار نہیں کرتا۔ اگر اللہ تعالیٰ فساد سے پیار نہیں کرتا توفسادی سے پیار کیسے کرے گا۔

پس ایک احمدی کا رد عمل 7، ستمبر کی قرارداد پر ایسا نہیں ہوگا کہ اس میں دنیا ظلم کا شائبہ دیکھے اور نہ ایسا ہوگا کہ اس کے نتیجہ میں فساد پیدا ہو اور لوگوں کی حقوق تلفی ہو یا ان کے حقوق تلف ہونے کے حالات پیدا

ہوجائیں کیونکہ بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض جگہ فساد کے نتیجہ میں وہ لوگ بھی متاثر ہوتے ہیں جو فسادی نہیں ہوتے اور نہ وہ کسی کے حقوق تلف کررہے ہوتے ہیں مگر وہ بھی فساد کی زد میں آجاتے ہیں مثلاً دو ہمسائے لڑپڑتے ہیں تو ان میں سے ایک بہرحال حق پر نہیں ہوتا یا بعض دفعہ جب دو آدمی لڑپڑتے ہیں تو تین شکلوں میں سے ایک شکل ضروری ہوتی ہے یا دونوں حق پر نہیں ہوتے۔ ہر دو اپنے حقوق سے زیادہ کا مطالبہ کررہے ہوتے ہیں یا ان میں سے ایک حق پر ہوتا ہے مثلاً زید حق پر ہوتا ہے اور بکر حق پر نہیں ہوتا یا بکر حق پر ہوتا ہے اور زید حق پر نہیں ہوتا۔ اب بکر اور زید کی لڑائی میں ان کے ہمسائے جو دو گھر پرے ہٹ کر ہوتے ہیں اور ان کی لڑائی میں شامل نہیں ہوتے وہ بھی متاثر ہوتے ہیں اور وہ اس طرح کہ لڑائی کرنے والوں میں سے غصہ میں آکر کوئی ایک آدمی بجلی کا پول اڑا دیتا ہے۔ جس سے ساری گلی میں اندھیرا ہوجاتا ہے۔ کئی گھروں کے معصوم بچے امتحان کی تیاری کررہے ہوتے ہیں ان کا وقت ضائع ہونے کی وجہ سے ان پر ظلم ہورہا ہوتا ہے حالانکہ وہ فساد میں شامل ہی نہ تھے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ایک دوسری جگہ ایک بڑی پیاری اور حسین آیت کے ایک ٹکڑے میں فرمایا ہے کہ ایسے گناہ کرنے سے بچا کرو کہ جب ان پر گرفت کی جاتی ہے تو وہ لوگ بھی سزا اور عذاب کی لپیٹ میں آجاتے ہیں جن کا کوئی گناہ نہیں ہوتا۔ یہ ایک حقیقتِ زندگی ہے۔ اس سے اللہ تعالیٰ پر اعتراض نہیں ہوتا البتہ اس سے انسان پر اعتراض واقع ہوتا ہے کہ اس نے اپنے ماحول کو مومنانہ اور صالحانہ کیوں نہیں رکھا۔ بہرحال یہ ایک لمبی تفصیل ہے۔ میں اس وقت مختصراً دو منفی پہلوئوں پر روشنی ڈال رہا ہوں۔

جیسا کہ میں نے ابھی ذکر کیا ہے کہ جماعت احمدیہ مجھ سے ایک سوال یہ کررہی ہے کہ مذکورہ قرارداد پر تبصرہ کیا جائے۔ اس کا جواب میں دے چکا ہوں کہ میرے تبصرہ کو سننے کے لئے کچھ دیر انتظار کرو۔ میں غور کررہا ہوں میں دعائیں کررہا ہوں۔ میں مشورے لے رہا ہوں اس کے بہت سے پہلو ہیں۔ اگر خدا نے چاہا تو اسی کی توفیق سے اگلے جمعہ کے خطبہ میں یا جب خدا چاہے گا۔ انشاء اللہ تبصرہ ہوگا۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ ہمارا رد عمل کیا ہونا چاہیئے؟ میں دوستوں سے کہتا ہوں کہ تمہارا رد عمل یہ ہونا چاہیئے کہ نہ تم ظالم بنو خدا کی نگاہ میں اور نہ تم مفسد بنو خدا کی نگاہ میں۔ اس لئے جماعت احمدیہ کا کوئی رد عمل ایسا ہو ہی نہیں سکتا کہ جس میں سے ظلم کی بُو آتی ہو یا اس کے اندر فساد کی سڑاند پائی جاتی ہو ہمارا رد عمل بالکل ایسا نہیں ہوگا۔ اور بھی باتیں ہیں لیکن آج کے لئے یہی دو کافی ہیں۔ یہ میرا

کام ہے کہ اسے آہستہ آہستہ واضح کرتا چلاجائوں۔ ردعمل کے منفی پہلو پر بھی شاید مجھے کچھ اور کہنا پڑے گا۔ پھر اسکے مثبت پہلو بھی بتائوں گا اوراپنے وقت پر انشاء اللہ تبصرہ بھی کروں گا۔ مجھے خوشی ہے کہ آج بہت سارے لوگ باہر سے بھی آئے ہوئے ہیں ان کو ایک حصہ مل گیا ہے۔ باقی حصوں کے متعلق سننے کے لئے بھی وہ ہر جمعہ کو آیا جایا کریں۔اور احباب دعائیں بھی کریں کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے مجھے صحت سے رکھے اور مجھے توفیق دے کہ میں اپنی ذمہ داریوں کو نباہ سکوں۔

جیساکہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ حسنہ تھا آپ کا وجود امت محمدیہ کے وجود سے علیحدہ نہیں تھا۔ اس لئے آپ کے نائبوں کے جونائب ہیں ان کے مبائع کا وجود اور خلیفۂ وقت کا وجود علیحدہ علیحدہ نہیں ہیں بلکہ ایک ہی وجود کے دونام ہیں۔ پس جو میں سمجھا اور جو خدا نے مجھے بتایا اس کے آگے سارے جسم پراثر ہونا چاہیئے۔ حتی کہ اس کا اثر انگلیوں کے ناخنوں اورپائوں کی انگلیوں تک سرایت کرنا چاہیئے یہ ایک حقیقت ہے اس کا سمجھنا ضروری ہے ورنہ اس کے بغیر ایسا نہ ہو کہ ہماری انگلی کسی اور طرف منہ کرکے ہل رہی ہو اورہمارا دماغ خدا کی طرف نگاہ کئے اللہ تعالیٰ کی حمد میں مشغول ہو۔ اس طرح کرنے پرتضاد پیدا ہوجائے اور ہماری انگلی اتنی بیمار سمجھ لی جائے کہ اسے کاٹنا پڑجائے انشاء اللہ یہ نہیں ہو گا۔

باقی جہاں تک کسی کے مسلم یا غیر مسلم ہونے کا سوال ہے یہ تو میں شروع سے کہہ رہا ہوں اس قرارد داد سے بھی بہت پہلے سے کہتا چلا آیا ہوں کہ جس شخص نے اپنا اسلام لاہور کی مال(روڈ) کی دکان سے خریدا ہو، وہ توضائع ہوجائے گا لیکن میں اورتم جنہیں خدا خود اپنے منہ سے کہتا ہے کہ تم (مومن) مسلمان ہو تو پھر ہمیں کیا فکر ہے دنیا جو مرضی کہتی رہے تمہیں فکر ہی کوئی نہیں۔ باقی تبصرے بعد میں ہوتے رہیں گے۔

(روزنامہ الفضل ربوہ 14/اکتوبر 1974 صفحہ 2 تا6)